۱۹۶۷ء

(واقعاتِ کربلا چاند کی زبانی)

عہدِ رفتہ کی طرح گو منتشر اب ہم نہیں پھر بھی رفتارِ عمل مربوط و مستحکم نہیں
خیر، جو کچھ کھو چکے، کھو ہی چکے، کچھ غم نہیں ہو گیا تنظیم کا سودا، یہ قیمت کم نہیں
ذکرِ ماضی برطرف فی الحال کرنا چاہیے
بڑھ کے مستقبل کا استقبال کرنا چاہیے

کر رہے ہیں روحِ ملت سے عمل کا احتساب فکر و دانش کے فرشتے بے حساب و بے کتاب
چہرۂ آیاتِ قدرت سے الٹتے ہیں نقاب عزم، محکم سعی پیہم۔ آزمائش انقلاب
حسن یوسف بنکے، روحِ زندگانی آگئی
ہر ارادے پر زلیخا کی جوانی آگئی

ایسے عالم میں کہ سب ہیں کامیاب زندگی وقت نے بڑھ کر الٹ دی ہے نقابِ زندگی
کھولتا ہوں موت کی منزل میں بابِ زندگی خون کی سرخی ہے عنوان کتابِ زندگی
دفن کر کے عصرِ کہنہ کی پرانی لاش کو
سوزنِ ہمت سے سیتا ہوں دلِ صدپاش کو

منزلِ جہد و طلب میں تھا جو کچھ کچھ مضمحل اب دھڑکتا ہے نئے احساسِ قوت سے وہ دل
منجمد سمجھی تھی جس کو کائنات آب و گل بجلیاں سی دوڑتی ہیں اس لہو میں متصل
کون کہتا ہے ہمیں بیدار ہونا چاہیے
ہاں یہ سچ ہے اختتام کار ہونا چاہیے

دے رہی ہے اک صلائے عام تنظیم حیات ہاں کدھر ہیں اہل ہمت، فاتحانِ کائنات
ہو رہا ہے امتحان جرأت و عزم و ثبات مل رہی ہے تا بجد جستجو غم سے نجات
لیلی مقصد اسی نسبت سے ہم آغوش ہے
جس قدر بازو میں طاقت دل میں جتنا جوش ہے

کروٹیں لیتی ہے ذہنوں میں ترقی کی امنگ
منزل تقدیر میں تدبیر کا جمتا ہے رنگ
کیا حیات آموز ہے صہبائے جرات کی ترنگ
ضرب سے نبض عمل کی بج رہا ہے طبل جنگ
زور و زر اس عزم کو مغلوب کر سکتے نہیں
قوم کے جذبات دب سکتے ہیں مر سکتے نہیں

قوم بھی وہ قوم جو تیغوں کے سائے میں پلی
سر کٹانا جس کا ادنیٰ کھیل ایسی منچلی
جس کا خوں تاریخ جانبازی کا عنوان جلی
رزم گاہ دہر میں نعرہ ہے جس کا یا علیؑ
زندگی جس کی شجاعت، جس کا میداں کربلا
تن مدینہ ۔ سر نجف ۔ دل سامرا ۔ جاں کربلا

ہر نفس جس کا جلال نعرۂ تکبیر ہے
مصحف ایماں کی جو منہ بولتی تفسیر ہے
جس کی شمع راہ منزل اسوۂ شبیرؑ ہے
پشت پر جس کی علیؑ کا دست خیبر گیر ہے
دم فنا ہو جائے دم میں یہ جسے للکار دے
ایسے ویسے کی نہیں پیر دکھ ہمت ہار دے

مرکز عرفان حق ہے جس کا ذوق جستجو
جس کے ماتھے کا پسینہ ہمسر آب وضو
ہر قدم جس کا ہے رہبران شہیدوں کا لہو
رن میں جو مردان میدان عمل تھے سرخرو
مر مٹے جو زندہ دل انسانیت کے نام پر
خون کی جن کے ہیں مہریں دفتر اسلام پر

مرد جس کے بندگان آستان بوتراب،
عورتیں جس کی کنیز زینب عصمت مآب
جس کے بچوں میں علی اصغر کا عزم کامیاب
نوجوانوں کو عمل آموز اکبر کا شباب
وقت مشکل جس کے بوڑھوں تک کے سینے تن گئے
جب کمر کس لی حبیب ابن مظاہر بن گئے

حکمت و تدبیر سے لبریز ہیں جس کے دماغ
گلشن تہذیب ہے پھولوں سے جسکے باغ باغ
آسمان زندگی کا چاند جس کے دل کے داغ
جس کے خون گرم سے روشن ہیں دانش کے چراغ
جس کی شمع علم سے دل جلوہ گاہ طور ہے
بزم حق میں تا قیامت جس کا قائم نور ہے

ہے امارت جس کے جمہوری تصور کی رقیب — جس کا شجرہ اہل بیت اور اصل خالق کا حبیب
کر دیا جس کو ذوی القربیٰ نے خالق سے قریب — غیب سے ہر دم ہے ناظر جس کا روحانی طبیب
فتحمندی پھر صدا دیتی ہے جس کو دور سے
جس کو نسبت ہے امام فاتح و منصور سے

جس کی طینت میں ہے شامل عشق دین مصطفیٰ — چومتی ہے جس کے لب کیفیت جام ولا
جس کے ہونٹوں پر ہے نازاں بادۂ صبر و رضا — خاص جس کے میکدے ۔ بطحا ۔ مدینہ ۔ کربلا
انگلیاں جس کی درِ خیبر گرانے کے لیے
اور کمر لاشیں جوانوں کی اٹھانے کے لیے

جس کا گریہ خندۂ صبح ازل سے کم نہیں — قوتِ بازو کی گویا مشق ہے ماتم نہیں،
جس کے قابل جز غم شبیر کوئی غم نہیں — جس کی ہستی مستقل ہے مدغم و منضم نہیں
وصف جس کا حریت ۔ قید قفس کے بعد بھی
مر کے جو زندہ ہے تیرہ سو برس کے بعد بھی

ہے جسے سن ساٹھ سے حاصل یہ نظم و انصرام — فیض مجلس سے سمٹ آتے ہیں یکجا خاص و عام
زندگانی کے ہر اک شعبے میں ہے ذوق تمام — منضبط علم و تمدن ۔ مستقل دینی نظام
جس کا قرآں ، وہ خزانہ جس کی کنجی آل ہے
دولتِ اسلام کا ہر طرح راسُ المال ہے

جس کا مسلک ہے سیاسی نکتہ چینوں سے الگ — دینوی تہذیب کے جھوٹے نگینوں سے الگ
ہے نظر ماضی پہ جس کی سطح بینوں سے الگ — آسماں جس کا نشیمن ہے زمینوں سے الگ
یہ عروج و ارتقا جس کا نہیں کچھ آج سے
دائمی رشتہ ہے محکم صاحب معراج سے

تخت شاہی مقصد تخلیق ہے جس کا نہ تاج — مختلف دنیا سے ہے جس کی سیاست کا مزاج
مضطرب ہے روح جس کی قتل و خونریزی سے آج — جسکے ذمے ہے زمانے بھر کا روحانی عِلاج
یہ کفن دُزدانِ عالم کیا سنوا دیں گے اُسے
اس کے جوہر خود جلادیکر نکھاریں گے اُسے

کون ہے وہ قوم۔ سطحِ خاک پر گردوں نشیں
سربراہ اولیں جس کے ہیں ختم المرسلیں
یاد رکھیں آسماں والے۔ سنیں اہل زمیں
والقمر کی رو سے ہم ہیں وارث ماہ مبیں

چپکے چپکے ہوتے رہتے ہیں اشارے چاند سے
گفتگو کرتے ہیں بچے تک ہمارے چاند سے

اے خلا پیما فضائے پر فضا کے رہ نورد
یہ خلا میں جو بظاہر ہیں سیہ، خاموش، سرد
ان خلاؤں میں بزیر آسمان لاجورد
منتشر اب تک ہمارے کاروانوں کی ہے گرد

پوچھ لو قوسین کی منزل کتاب اللہ سے
ہم گئے ہیں لامکاں تک کہکشاں کی راہ سے

تھا شب اسریٰ ہمارا پہلا زینہ یہ قمر
آج للچائی ہوئی پڑتی ہے جس پر ہر نظر
اُنس ہے اہل زمیں سے اس قمر کو اس قدر
ہو کے دو ٹکڑے گواہی دی نبی کی چرخ پر

پہلے دل میرا الجھاتا تھا بہت اس کا کمال
ہم سخن ہے اب یہ مجھ سے دیکھ کر میرا کمال

مجھ سے کہتا ہے اشاروں میں کہ اے روحی فداک
طینت مہر عرب کا ہے بقیہ تیری خاک
نقش پائے صاحب لولاک پر چل بے تپاک
جنبش انگشت سے کردے ہر اک پردے کو چاک

نفس امارہ سے اول جنگ کر عمار بن
پھر فضائے ارتقا میں جعفر طیار بن

تو ہے اس کا مستحق اے قدوۂ نوع بشر
چاند پر پہلے ترا نقشِ قدم ہو جلوہ گر
تیرے قائد کے سوا دنیا میں کس کا ہے وہ گھر
چرخ نے تارا اتارا جس کی ارض پاک پر

پھیرنا قسمت کا کیا مشکل نبی کے واسطے
ڈوب کر پلٹا نہ تھا سورج علیؑ کے واسطے

تیرا رشتہ اس جلالِ کبریا سے استوار
جو براق برق ایمن کا حقیقی شہسوار
کل ستارے جس کی گرد پائے دلدل پر نثار
ایک صورت، پانچ جلوے قدرت پروردگار

مقصدِ تطہیر ان پانچوں سے پورا ہو گیا
مصحفِ عصمت کا گویا پنجسورہ ہو گیا

ہیں انہیں جلووں کے سائے آدمی کے خضر راہ		جن کی بیدار عمل راتوں کا میں عینی گواہ
ان کی سیرت منبع تہذیب ارباب نگاہ		ان کی الفت دیدبان حملۂ جرم و گناہ

ایک نادیدہ تجلی عالم محسوس میں
اِک چراغِ کبریائی جسم کے فانوس میں

ان نفوس پاک کی الفت کا جو ہے مدعی		فرض ہے اس پر تولا کے سوا کچھ اور بھی
یہ ہے اک مانا ہوا محکم اصولِ زندگی		دوست کی مرضی پہ چلنا ہے شعار دوستی

عشق صادق ذوق تسلیم و رضا کا نام ہے
یہ نہ ہو تو دوستی ناکام، الفت خام ہے

دوستی کی شرط کیا ہے جذبہ نصرت سے پوچھ		منزلیں اس کی کلام اللہ کی آیت سے پوچھ
بسترِ ختم الرسل سے اور شب ہجرت سے پوچھ		دل میں جو کفار کے بیٹھی تھی اس ہیبت سے پوچھ

دوستی کا مدعی۔ محبوب کے فرمان سے
سو رہا تھا زد میں تلواروں کی اطمینان سے

میں نے مانا یہ عزیمت یہ شکوہ آہنیں		چند ہی ذاتوں کا ہے پس منظر عین الیقیں
لیکن اس کی گرد کو پانا تو مشکل تر نہیں		اٹھ۔ کمر کس لے۔ بدل تیور۔ چڑھا لے آستیں

الفت شبیر کا رشتہ عمل سے۔ جوڑ دے
پسلیوں سے پھر اگر چاہے تو بھالیں توڑ دے

میں نے یہ مانا کہ گریہ ہے ترا اک فرض عین		جو ہے صدیوں سے شعور انجمن کی زیب و زین
باادب اتنی گزارش ہے کہ وقت شور و شین		آنسوؤں کے آئنے میں دیکھ کردارِ حسینؑ

راس آیا تجکو رونا۔ خوب روجی کھول کر
روح کو لیکن ترازوے ولا میں تول کر

چاند کے منہ سے یکایک نکلے یہ مطلب کی بات		بولا اٹھا شاعر کہ لے نور حیات کائنات
اور کچھ اس مسئلے کے واضح و روشن نکات		میری نظروں میں تو انساں کی عمل سے ہے نجات

فلسفے کی رو سے گریہ ایک ایسا کام ہے
یاسیت جس کا نتیجہ۔ بزدلی انجام ہے

چاند اس فقرے سے چمکا اور کہا بازیب و زین | اے مطیع ملّت پیغمبر بدر و حنین
بزدلی کرتا اگر پیدا کہیں یہ شور و شین | مر چکے ہوتے کبھی کے سب عزادار حسینؑ

جس میں ہو احساس کی شدت تہور ہے وہی
اشک کے جو دُر لٹاتا ہے بہادر ہے وہی

فلسفہ کتنی ہی گو بحثیں کرے با شد و مد | کیا دلیلوں سے کہیں احساس کا ممکن ہے رد
فلسفہ دراصل ہے اک عقل ظاہر بیں کی حد | فلسفہ مبنی ہے ظنیات پر اے ذی خرد

فلسفہ وہم و گماں ہے ذہن کی پرواز ہے
اشک غم دل کا یقیں ہے درد کا اعجاز ہے

مختلف نوعیتیں رونے کی ہیں سمجھے کوئی | ایک وہ رونا ہے جب طاقت سے دب کر آدمی
کرب میں رونے لگے ظاہر ہو جس سے بے بسی | التجا اشکوں سے ٹپکے رحم کی، امداد کی

یہ فغان و آہ فقدانِ خودی کی بات ہے
اس طرح رونا یقیناً بزدلی کی بات ہے

لیکن اک مظلوم کا جب درد پیہم ہو بیاں | خون کھولے جسکو سن کر تیز ہو نبضِ رواں
انتقام ظلم کے جذبات لیں انگڑائیاں | اور ظالم ایسے عالم میں ہو نظروں سے نہاں

آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں فرطِ جوش میں
کیا یہ گریہ بزدلی ہے چشم اہل ہوش میں

مطلقاً رونے کو سمجھا ہے جو تو نے بزدلی | ایسی کیفیت نہیں طاری ہوئی تجھ پر کبھی
ان کا حصہ ہے یہ کیفیت یہ غم کی بے خودی | موجزن دل میں ہے جن کے قلزم حب علیؑ

اس طرح کی ضرب غم سے جب ترا دل شق نہیں
تجکو انجام عزا پر تبصرے کا حق نہیں

میں ہوں شاہد اور اجرام سماوی سب گواہ | گریہ کن ملت سے کتنے ہی اٹھے اہل نگاہ
فلسفی، شاعر، مورخ، اہل دل، اہل سپاہ | فاتح عالم، مصنف، موجد فن، باج خواہ

خود بھی ابھرے، کفر کی کشتی ڈبوتے بھی رہے
اور یہ سب مظلوم کی مجلس میں روتے بھی رہے

ایک فطری شے ہے رونا وہ بھی اس مظلوم پر   جو نبی کا دل، علیؑ کی روح، زہرا کا جگر
جو مفادِ عامہ کی راہ میں گھر چھوڑ کر   ایک مدت تک رہا گرمی میں سرگرم سفر

اُس کا صدقہ ہے کہ اب بازارِ ظلمت سرد ہے
چاندنی میری اسی کے کارواں کی گرد ہے

کتنی راتیں تھیں کہ جا کر میں نے اس کے روبرو   کی خطوطِ رخ سے پیہم رازِ دل کی جستجو
قلب کی گہرائیوں میں تھی یہی اک آرزو   دین ہم مٹنے نہ دیں گے چاہے بہہ جائے لہو

بستیوں کی سمت رخ تھا اور نہ جنگل کی طرف
جذبِ حق کھینچے لیے جاتا تھا مقتل کی طرف

تیسویں ذی الحجہ کو اک منزل پہ میں نے وقتِ شام   دور سے جھک کر کیا مہرِ امامت کو سلام
جیسے واقف تھے کہ رویت ہے شہادت کا پیام   دیر تک دیکھا کیے کس پیار سے مجھکو امام

جوشِ قربانی رگِ گردن کو تڑپاتا رہا
آئنے میں شمر کا خنجر نظر آتا رہا

میں تو رخصت ہو گیا۔ مجبورِ رخصت تھا مگر   دوسرے دن شام کو تاروں نے دی مجھ کو خبر
ماہِ زہرا نے اسی منزل پہ وہ شب کی بسر   تربیت دی حسبِ مقصد ساتھیوں کو رات بھر

شوق سے جانبازِ قائد کے سخن سنتے رہے
فکر خوش ہوتی رہی۔ جذبات سر دھنتے رہے

تھا مدلل اس قدر جانِ پیمبر کا بیاں   تھی دہانِ پاک میں گویا محمدؐ کی زباں۔
ہاتھ رکھ رکھ دیتے تھے قبضوں پہ سن سن کر جواں   جوش میں مٹ مٹ گئیں بوڑھوں کے رخ کی جھریاں

بات کی تاثیر بھی تھی شاہ کا اقبال بھی
تان کر سینے کھڑے ہو ہو گئے اطفال بھی

ذکر مردوں کا ہے کیا عورات پر تھا یہ اثر   کہہ رہی تھیں بنتِ زہرا کس کے ہمت کی کمر
بی بیو سنتی ہو، باطل دین پر ہے حملہ ور   میں بھی صدقے میرے بچے بھی فدا اسلام پر

صبر و استقلال کی مانگو دعا میرے لیے
آج سے اک اک نفس ہے کربلا میرے لیے

وہ شبِ غرّہ انہی باتوں میں فرما کر بسر
منزلِ مقصود پر آیا محمّد کا قمر
کربلا میں بالتسلسل تھیں مرے پیشِ نظر
دس شبیں ذی قدر جو والفجر میں ہیں مستتر
محترم اتنی کہ شامل دین میں ایمان میں
کھائی ہے جن کی قسم اللہ نے قرآن میں

کربلا کی یہ شبیں دنیا میں تھیں محشر بدوش
مضطرب جن میں دو عالم مطمئین ارباب ہوش
بھر دیا تھا دل میں شیروں کے قیادت نے وہ جوش
فکرِ مقصد کا جو تابع۔ دفعِ شر میں سخت کوش
ظلم کے طوفاں فضا کی گود میں پلتے رہے
یہ چراغ ان آندھیوں میں متصل جلتے رہے

دل میں تھا ہر شمع کے قلب بشر کا سوز و ساز
اور نسیم نینوا میں کیف خوشبوئے حجاز
رفتہ رفتہ آگئی وہ اک شبِ تاریخ ساز
جس کے سینے میں بہتر تھے دل انساں نواز
کفر سوز و حق فروز و مطلع الانوار تھی
عالم انسانیت کا طالع بیدار تھی

میں نے دیکھی ہے بچشم حال لے اہل نگاہ
وہ شبِ عاشور اہل شام کا بخت سیاہ
یا حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھیوں کا دودِ آہ
یا ابوسفیان کی پھیلی ہوئی فردِ گناہ
یہ جو اک دھبّا سا ظاہر روئے نورانی میں ہے
داغ اس شب کا ابھی تک میری پیشانی میں ہے

اک طرف وہ قربِ ساحل ظلمت فسق و فجور
اک طرف ریتی کے ہر ذرے میں برقِ کوہِ طور
ایک جانب تیرگی و تیرہ بختی کا وفور
دوسری جانب تجلی۔ روشنی۔ تطہیر۔ نور
کفر اُدھر، ایماں اِدھر، مستی اُدھر عرفاں اِدھر
رقص اُدھر، طاعت اِدھر، نغمے اُدھر قرآں اِدھر

وہ شبِ غم تیرہ و تار اہل ظلمت کے لیے
صبحِ نو لیکن مہیائے شہادت کے لیے
لیلۃ القدر اس جہانِ عزم و ہمت کے لیے
اک شبِ معراج چشم و دل کی رفعت کے لیے
ہر طرف پھیلی ہوئی توحید کی تنویر تھی
چاندنی میری بھی زیرِ چادرِ تطہیر تھی

یاد ہے مجھکو کہ اک خیمہ بشکلِ امتیاز نصب تھا اس دشت میں، بچھی تھی جس میں جانماز
نافلہ خواں تھے یہاں خلوت میں سلطان حجاز ایک عبد پر نیاز اور اک خدائے بے نیاز
روح و دل فرش زمیں پر عرش سے چمٹے ہوئے
ایک خیمے میں مکان و لامکاں سمٹے ہوئے

وہ قرائت کی ادا داؤد کو جس سے نشاط سورۂ الحمد محو حمد رب کو انبساط
"نعبدُ" اور "نستعینُ" میں خدا سے اختلاط "اِہدنا" سنکر پکاریں خضر۔ مولا! "الصراط"
لفظِ "انعمتَ" ہر اک مغضوب حق پر بار ہو
ضالّیں کے واسطے مد کی کشش تلوار ہو

وہ مصلّی وہ مصلّی وہ وظیفہ وہ نماز وہ تعبّد جس پہ خود اخلاص نیت کو ہے ناز
یوں جھکے بہر سجود حق بصد عجز و نیاز ہوگیا سجدہ بھی پیشانی سے ان کی سرفراز
نورِ عرفاں کا جبین ضو فشاں گنجینہ تھی
عکس حق تھا جلوہ پرور سجدہ گہ آئینہ تھی

کیا وہ سجدہ تھا مصمم عزم قربانی کے ساتھ جس کا مقصد حل مشکل، اور آسانی کے ساتھ
ملت بیضا کا احیا نور ایمانی کے ساتھ سب کے حق کا پاس بھی حق کی نگہبانی کے ساتھ
دید کو گردوں پہ سیارے جھجک کر رک گئے
ایک پیشانی کے جھکتے ہی دو عالم جھک گئے

نصف شب کے تھے مناظر کچھ عجب ذوق آفریں وہ بشاشت رُخ پہ تھی پیاسوں کے جو دیکھی نہیں
سب کے سب تھے باوفا، خوددار، ضابط بایقیں دائرے میں عزم کے اخلاص کا حصن حصیں
مرتکز جن کی نظر پیہم پیام وقت پر
اور آنکھیں چشم و ابروے امام وقت پر

وہ حبیب ابن مظاہر وہ بریر ذی وقار وہ ہلال ماہ پیکر وہ زہیر نامدار
پیاس جن کی چشمۂ آب بقا سے ہمکنار پپڑیاں ہونٹوں کی وہ اوراق گل جن پہ نثار
تشنۂ صہبائے نصرت زندگی سے سیر تھے
نہر کے دستے انہی پیاسوں کے ڈر سے زیر تھے

سورما، جانباز، غازی، پرجگر، شیر ژیاں — علم کے دریائے بے پایاں، عمل میں بیکراں
حافظ قرآں، راوی، واعظ شیریں بیاں — عمر کی رو سے مسن اور عزم کی رو سے جواں
جب کمر کس کر ہوئے تیار نصرت کے لیے
خود پلٹ آیا شباب ان کی زیارت کے لیے

ایک جا عون و محمد با حمیت با ادب — فرد، چیدہ، برگزیدہ، حق رسیدہ، منتخب
بعدِ سبطینِ رسولِ پاک مابینِ عرب — بس یہی ہیں مادری جن کی زباں قرآن رب
سن ہیں کم لیکن بڑے عرفان کے درجے پاتے ہیں
معنی نصرت سمجھ کر بہر نصرت آئے ہیں

وہ علی اکبرؑ کہ تصویر رسولؐ بحر و بر — میں نے دیکھا تھا انہیں بھی یہی تھے پیش نظر
شکل میں رفتار میں لہجے میں خو میں سر بسر — جیسے اٹھارہ برس کی عمر میں خیر البشر
فرق نقطے کا نہیں بالکل وہی عنوان ہے
حال میں حل ہو گیا ماضی خدا کی شان ہے

اللہ اللہ اس جری کی مادر عالیجناب — ام لیلا نام اور ہم رشتہ ام الکتاب
محرم اسرار نصرت ابتلا میں کامیاب — عزم قربانی کی جن کے روح اکبر کا شباب
یہ تمنا ہر قدم پر یہ دعا ہر گام پر
سب سے پہلے میرا بیٹا ہو فدا اسلام پر

حضرت عباس غازی دلبر شاہ حنین — کربلا میں دست و بازوئے امام مشرقین
کھو دیا تھا پیاس نے بچوں کی جنکے دل کا چین — چھین لیں دریا کو تنہا گر نہ مانع ہوں حسینؑ
ضبط جذبات وغا سے منقبض ہوتے رہے
تیغ کی صیقل سے زنگ طبع کو دھوتے رہے

جنگ کے فن میں بھی کامل، فقہ میں بھی محترم — مالک سیف و قلم اور وارث علم و عَلَم
ناصر حق باوفا حمزہ شیم جعفر حشم — حیدری اوصاف کے حامل بفرق بیش و کم
پاسبان آل۔ نائب شاہ خیبر گیر کے
حافظ قرآن ناطق۔ معتمد شبیرؑ کے

اپنی اپنی خیمہ گاہوں میں زنانِ خاندان دل کے ٹکڑوں کو لیے بیٹھی تھیں بہرِ امتحاں
پوچھتی تھی اپنے مہ پارے سے یہ ایک ایک ماں کیا کروگے تم سحر کو رن پڑے گا جب یہاں
کہتے تھے گلرو جہادِ حق میں مارے جائیں گے
خون میں ڈوبیں گے کوثر کے کنارے جائیں گے

کیا سناؤں ان حسینانِ بنی ہاشم کا حال بھولی بھولی صورتیں تھیں اور جھنڈولے انکے بال
اپنی عمروں سے سوا حق فہمی و جاہ و جلال دودھ کی تاثیر اور زورِ قیادت کا کمال
اف وہ کیا کیا ظلم اس سن میں خوشی سے سہہ گئے
بن کے شبنم میرے آنسو بھی ٹپک کر رہ گئے

ام فروا بیوہ شبّر بقلبِ بے قرار لے کے قاسم کی بلائیں کہہ رہی تھیں بار بار
صبح جب فوجِ خدا پر حملہ ور ہوں نابکار تم علی اکبر سے پہلے مرکے نانا میں نثار
سرخرو ہو جلد نانا سے اسی میں خیر ہے
بات کہنے میں نہ آجائے کہ بھاوج غیر ہے

ایک گہوارے میں دیکھا ایک طفلِ نیم جاں پیاس سے منکا ڈھلا تھا منہ سے نکلی تھی زباں
ماں کی ہمت اللہ اللہ جس کی تھیں یہ لوریاں شیر کے پوتے ہو، لو انگڑائی، اٹھو میری جاں
کل لڑائی ہے سپاہِ ظلم کی شبیر سے
سب کی تلواریں چلیں گی کھیلنا تم تیر سے

میں نے ان باتوں سے جانبازوں کی پرکھی تھی جو خو روزِ عاشورہ نے کی تصدیق اس کی مو بمو
ان عزائم پر عمل کی تجکو ہے گر جستجو شمس سے اس باب میں کرنا کسی دن گفتگو
موت اسی کے سامنے ان غازیوں سے پست تھی
رات تک مقتل میں قربانی ہی بالادست تھی

گیارھویں شب! تجکو لگ جاتا گہن اس شب میں کاش دیکھنا پڑتے نہ وہ منظر بھیانک دل خراش
بے کفن عریاں، زمیں پر سبطِ پیغمبر کی لاش جسم آغشتہ بخون و پائمال و پاش پاش
اف سناں کی نوک پر سر مصطفیٰ کی جان کا
حال دُہراتا ہوا صفین اور قرآن کا

اک طرف جلتے ہوئے آلِ پیمبر کے خیام — اُن میں تھا اسباب جتنا جل چکا تھا وہ تمام
ادھ جلی چیزیں خصوصیت سے عبرت کا مقام — ایک وہ کرتہ جو پہنے تھی سکینہ وقتِ شام
ایک جھولا شیر خوار سیّد ابرار کا
ایک تکیہ ایک بستر عابدِ بیمار کا

چند بچے ایک جانب سہمے سمٹے نیم جاں — ظالموں کی انگلیوں کے جن کے گالوں پر نشاں
بے ردا کچھ بی بیاں، آمادۂ صد امتحاں — جن کے کرتے پشت سے چپکے ہوئے اور خوں فشاں
کہتی ہیں شکلیں کہ ہمت میں کمی آئی نہیں
تھک گئے ظلم و ستم لیکن یہ گھبرائی نہیں

خواہرِ شبیر بارِ غم سے خم جن کی کمر — گرد ان خیموں کے مصروفِ طلایہ بے خطر
ہاتھ میں اک چوب نیزہ ہوشیار و باخبر — پاسبانوں کی طرح چاروں طرف پیہم نظر
دل میں اندیشہ نہ خاطر میں جگہ وسواس کی
جانشینی کر رہی تھیں اکبر و عباس کی

دوش پر ان کے جو تھا بارِ امانات امام — تھی نظر پیہم فرائض پر بحسن اہتمام
چونک پڑتا تھا اگر سوتے میں کوئی لالہ فام — دوڑ کر آتی تھیں گھر میں خواہرِ شاہِ انام
غمزدہ اطفال کی خدمت بجا لاتی تھیں آپ
پھر طلایہ کے لیے اٹھ کر چلی جاتی تھیں آپ

کہہ رہا تھا میں بھی تارے بھی فلک بھی عرش بھی — مرحبا اے سرپرستِ عترتِ پیغمبری
وہ عمل ہے آپ کا جس کا محل ہے مقتضی — گھر میں بنجاتی ہیں زہرا گھر کے باہر ہیں علیؑ
نقش ہیں یہ حوصلے اب صفحۂ آفاق پر
ختم ہے تاریخ مظلومی انہی اوراق پر

گشت میں مصروف تھیں جانِ نبی کی سوگوار — ناگہاں دیکھا کہ آتا ہے نجف سے اک سوار
چوب نیزہ تان کر بنتِ علی نے ایک بار — دی صدا للکار کر او آنے والے ہوشیار
روک لے فوراً عناں اب توسنِ چالاک کی
اس جگہ عترت فروکش ہے رسولِ پاک کی

سن کے یہ روکا نہ جب اس نے سمند تیز پا — بڑھ کے یہ بولیں کہ اے راکب خدارا رحم کھا
سوتے ہیں بچے ابھی رو رو کے بے آب و غذا — چونک اٹھیں گے تری آہٹ سے غم کے مبتلا
نیمجاں درد یتیمی سے ہیں گھبرائے ہوئے
بھوکے پیاسے زخم خوردہ سیلیاں کھائے ہوئے

جب یہ سنکر اور بھی تیزی سے وہ راکب بڑھا — غیظ میں بھر کر پکاریں دختر خیرالنسا
بات سنتا ہی نہیں آخر مجھے سمجھا ہے کیا — میں ہوں زینب۔ خواہر عباس۔ بنت مرتضیٰ
لٹ چکے ہیں جو انہیں پھر لوٹنے آتا ہے تو
غیرت مظلومیت کو جوش میں لاتا ہے تو

التجا زینب کی جب یہ بھی نہ راکب نے سنی — تھا یہی فرض نگہبانی کہ پھر مہلت نہ دی
باگ گھوڑے کی بصد جرات جھپٹ کر تھام لی — دی صدا راکب نے زینب! میں علیؑ ہوں میں علیؑ
مرحبا یہ استقامت ہے تو پھر کچھ غم نہیں
تو ادائے فرض میں بھائی سے اپنے کم نہیں

عرض کی رو کر لٹا سب گھر، کہاں تھے یا علیؑ — جبکہ بچھڑے اکبر و اصغر کہاں تھے یا علیؑ
جب کٹا میرے اخی کا سر کہاں تھے یا علیؑ — جب یہ چھنی رن میں مری چادر کہاں تھے یا علیؑ
یہ بیاں سن سن کے حیدر جان کھوتے تھے نسیم
باپ اور بیٹی گلے مل مل کے روتے تھے نسیم